قرآن میں غور و فکر کا حکم

آیۃ اللہ محمد تقی مصباح یزدی

حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ قرآن ایک بے کراں سمندر ہے جس کی گہرائیوں تک پہنچنا معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ کسی کے لئے ممکن نہیں ہے اس کے باوجود خود قرآن نے بھی اور حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام نے بھی لوگوں کو قرآنی آیات کے بارے میں غور و فکر سے کام لینے کی دعوت دی ہے قرآن کہتا ہے :۔

" كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيكَ مُبارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ " (سورہ ص آیت ۲۹)

ہم نے برکتوں سے معمور کتاب تم پر اس لئے نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں۔

قرآن اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ لوگ جو قرآن میں فکر و تدبر سے کام نہیں لیتے ان کو مورد مواخذہ قرار دیتا ہے :

" اَفَلاَ يَتَدَبَّرُونَ القُرآنَ اَم عَلَى قُلُوبٍ اَقْفَالُهَا " (سورہ محمدؐ آیت : ۲۴)

آیا وہ قرآن کے بارے میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں ؟

پیغمبر اسلام ﷺ اور آئمہ ہدی علیہم السلام نے بھی قرآن کی طرف رجوع کرنے اور اس کی آیتوں پر غور و فکر کرنے کی شدت کے ساتھ تاکید کی ہے۔ خصوصاً جبکہ معاشرہ کی فکر ظلمت و آشفتگی کا شکار ہو اور مسلمانوں کے درمیان ایسے شکوک و شبہات سر اٹھا رہے ہوں جو انسان کو فکری و عقیدتی انحرافات میں مبتلا کرنے کا سبب ہوں تو ایسے حالات میں قرآن کی طرف رجوع کرنے کی شدید لہجہ میں تاکید کی گئی ہے :۔

" اذا التبست عليكم الفتن كقطع الليل المظلم فعليكم بالقرآن "(اصول کافی جلد ۲ ص ۴۳۸)

جب فتنے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی مانند تم کو گھیر لیں تو قرآن کی جانب رجوع کرو۔

اگر چہ بہت سی روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کا کامل علم صرف پیغمبر اسلام ؐ اور اہلبیت اطہار علیہم السلام کے پاس ہے اور وہی قرآن کے حقیقی معلم و مفسر ہیں (جیسا کہ پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں قرآن کہتا ہے: قرآن کے معلم اور اس کو بیان کرنے والے خود پیغمبر اسلامؐ ہیں)(۱)

اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ خود نبی اکرمؐ اور آئمہ اطہارؑ نے بھی قرآن کی طرف رجوع کرنے کی تاکید کی ہے حتّی کہ فرمایا ہے: "اگر ہم سے منقول روایات کے بارے میں شک پیدا ہو تو انھیں قرآن کی روشنی میں پرکھ لو"

روایات میں "عرض علی الکتاب "(۲) کے عنوان سے ایک مستقبل باب موجود ہے اور جس کا ذکر اصول کی کتابوں میں بھی تعادل و ترجیح کے عنوان سے مذکور باب میں ملتا ہے کہ روایتوں کے درمیان ترجیح یا ان کے قابل اعتبار ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط ان کی قرآن کے ساتھ موافقت یا عدم مخالفت بھی ہے۔

لہٰذا جب ہم کسی روایت کا اعتبار برقرار رکھنے یا کم از کم اس کو دوسری روایت پر ترجیح دینے کے لئے قرآن کے ساتھ اس کی مطابقت کریں تو آیت کا مفہوم ہم پر واضح و روشن ہونا چاہیے تا کہ روایت کی اس کے ساتھ تطبیق کر سکیں اور اگر یہ صورت ہو کہ آیت کا مفہوم بھی روایت کے ذریعہ سمجھا جائے تو دور لازم آتا ہے لہٰذا یہ اشتباہ کہ کوئی شخص روایت کی طرف رجوع کئے بغیر قرآن کے بارے میں فکر و تدبر اور استفادہ کا حق نہیں رکھتا ایک خیال خام ہے ہم کو خود قرآن میں خداوند متعال نے بھی حکم دیا ہے اور پیغمبر اکرمؐ و آئمہ طاہرینؑ نے بھی قرآنی آیات میں غور و فکر کی تاکید کے ساتھ دعوت دی ہے۔ مگر افسوس گذشتہ دور میں اس سے متعلق کوتاہی سے کام لیا گیا۔ یہاں تک کہ قرآن اور تفسیر قرآن کے دروس حتی کہ دینی و علمی مراکز میں بھی ضعف و اضمحلال کا شکار تھے بلکہ نہ ہونے کے برابر تھے۔

اور پھر حوزہ علمیہ قم میں علامہ طباطبائی رضوان اللہ کو یہ توفیق حاصل ہوئی کہ انہوں نے حوزہ علمیہ قم میں تفسیر قرآن کو حیات نو بخشی اور یہ عظیم افتخار ان کے نصیب میں آیا ہم سب کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ آج اسلامی معارف کی شناخت کے سلسلہ میں عظیم ترین ماخذ و مدرک یہی تفسیر المیزان ہے جو آپ نے تالیف فرمائی ہے۔

بہر حال، وہ ذمہ داری جو ہم پر خداوند عالم اور اس کے پیغمبرؐ کی جانب سے مقرر کی گئی ہے۔ اس کے تحت ہمیں قرآن کے بارے میں غور و فکر اور تدبر و تعقل سے کام لے کر ان گراں بہا موتیوں سے استفادہ کرنا چاہیے جو خداوند عالم نے لوگوں کے لئے اس میں ذخیرہ کر دیئے ہیں۔

آج بحمد اللہ قرآن کریم کی تعلیم و تفسیر کی اہمیت ہمارے عوام پر بڑی حد تک روشن و واضح ہو چکی ہے ان

کے درمیان تفسیر قرآن کی مقبولیت میں جو اضافہ ہوا ہے بے نظیر ہے عوام کے درمیان اس کا استقبال اور ان کی گرم جوشی اگرچہ دل کو شادمانی عطا کرتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس بات سے خوف زدہ رہنا چاہیے کہ کہیں قرآن کی تفسیر کجروی کا شکار نہ ہو جائے کیونکہ یہ چیز نہ صرف یہ کہ معاشرہ کو حقائق سے قریب نہیں کر سکتی بلکہ شیطانی مقاصد کے لئے راہ کھول دے گی اور افسوس یہ کام ہوا بھی ہے، آج مختلف ناموں سے ایسے گروہ موجود ہیں جو بزعم خود قرآن سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے ذاتی افکار کو قرآنی آیات سے ثابت کرنے کے دعویدار ہیں ان میں سے بعض کا چہرہ تو بالکل پہچانا جا چکا ہے لیکن بعض ایسے بھی ہیں جو گویا ابھی اچھی طرح پہچانے نہیں جا سکے ہیں لیکن اس میدان میں ان کی سرگرمی بہت بڑھی ہوئی ہے لہذا اگرچہ قرآن کو سمجھنے کے سلسلے میں عوام خصوصاً نوجوانوں کی بے پناہ دلچسپی ہمارے لئے خوشی کا باعث ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں خبردار رہنا چاہیے کہ تفسیر قرآن کے سلسلہ میں انحراف کی وہ روش پیدا نہ ہونے پائے جو خدانخواستہ معاشرہ کو غلط راہ پر لگا دے۔

اور یقیناً اس منزل میں بھی، یہ بھاری ذمہ داری علماء کے دوش پر ہی عائد ہوتی ہے کہ وہ قرآن سے شغف رکھنے والوں کے لئے صحیح راہ مشخص و معین کریں کیونکہ تمام کے تمام منحرفین جان بوجھ کر کسی غرض کے تحت اسلام اور اسلامی حکومت کے دشمن نہیں بن گئے ہیں بلکہ ان کی بڑی تعداد ____ شاید اکثریت ____ اشتباہات اور غلط تعلیمات و تلقینات کا شکار ہو کر اس راہ پر لگ گئی ہے اور کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ان میں سے بعض کو ماضی میں بعض علماء کی تائید بھی حاصل رہی ہے۔

بہر حال ہمیں ان مسائل سے بڑی ہوشیاری کے ساتھ نپٹنا چاہیے اور خیال رکھنا چاہیے کہ ہمیں تعلیم قرآن کی وہ درست راہ جس کی پیغمبر اکرم ﷺ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام نے نشان دہی کر دی ہے اپنانا چاہیے اور تمام تر خود غرضانہ مقاصد کو بالائے طاق رکھ کر قرآن کو خود اپنے مقاصد و افکار سے تطبیق کرنے کے بجائے کوشش کرنا چاہیے کہ اپنے افکار کو قرآن کی روشنی میں درست کریں کیونکہ یہ وہ بلا ہے جو امیر المومنین علیہ السلام کے زمانے میں بھی رائج تھی اور نہج البلاغہ میں حضرتؑ نے اپنے جن دردوں کی فریاد کی ہے ان میں سے ایک یہی ہے کہ بعض لوگ قرآن کو خود اپنے افکار پر منطبق کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

جب اس زمانے میں، حتّٰی عہد پیغمبرؐ سے اتنا قریب ہونے اور حضرت علیؑ جیسے افراد کی موجودگی کے باوجود اس طرح کا انحراف اور گمراہی پیدا ہو سکتی ہے تو اس زمانہ میں جبکہ ہماری علمی کمزوریاں بھی واضح ہیں، کوئی بعید نہیں ہے کہ یہ کجی بہت ہی زیادہ وسیع پیمانے پر پیدا ہو؟

لہٰذا، بلاشک و شبہ یہ علمائے اسلام کی واجب ترین ذمہ داریوں میں سے ہے کہ وہ قرآن کریم کے تمام تر مفاہیم مختلف علمی سطحوں (اعلیٰ، اوسط یا ادنیٰ) کے اعتبار سے جس قدر بھی ممکن ہو صحت و یقین کے ساتھ بیان کریں اور معاشرہ کو قرآنی خزانوں سے بہرہ ور کریں۔ اور اگر یہ اہم ترین کام انجام نہ پایا اور علماء نے اس طرف توجہ نہ دی تو گمراہی کی جو صورت آج ہم دیکھ رہے ہیں اس سے بھی بدتر صورت حال کے لئے ہمیں تیار رہنا چاہیے۔

آج زیادہ تر مسلمان نوجوان اس کے لئے تہہ دل سے آمادہ اور بیتاب ہیں کہ قرآنی مفاہیم کو سمجھیں اور یاد کریں حتیٰ اپنے خیال و دماغ کے اعتبار سے وہ المعجم اور اسی قسم کی دوسری کتابوں کی طرف رجوع کر کے اس پر تحقیق فرمانے کی بھی کوشش کرتے ہیں وہ فکر کرتے ہیں کہ یہ ایک معمولی اور سادہ سا کام ہے. شاید یہ لوگ اپنے اس گمان میں معذور ہوں لیکن وہ لوگ جو برسوں علمی دینی مراکز میں رہے ہیں اور حوزہ علمیہ میں بزرگوں سے آیات و روایات میں دقت نظر سے کام لینے کا درس لیا ہے اگر وہ بھی اسی انداز میں فکر کریں تو حق یہ ہے کہ وہ ہرگز قابل معافی نہ ہونگے۔

ہماری ذمہ داری ہے کہ وہ قوانین و اصول جو بزرگ علماء مفسرین نے ہمارے حوالے کئے ہیں ہم ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زیادہ غور و فکر سے کام لے کر قرآن کے روشن و واضح مفاہیم اخذ کریں اور معاشرہ تک پہنچائیں تاکہ قرآن و اسلام کے تئیں اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہو سکیں۔ دوسری طرف اگرچہ قرآن کا آسانی سے سمجھنا اور تفسیر کرنا ممکن نہیں ہے پھر بھی ایک شخص جو قرآن کو سمجھنا چاہتا ہے اس سے اگر ہم کہیں کہ اس کے لئے کم از کم تم کو تیس سال کام کرنا ہوگا، تعلیم حاصل کرنا ہوگی تب کہیں سمجھنے کے قابل ہو سکو گے تو گویا ہم نے اس کو قرآنی مطالب سمجھنے اور یاد کرنے سے مایوس کر دیا اور نتیجہ میں اس کا منحرفین کے ہتھے چڑھ جانا یقینی ہے؟

ٹھیک ہے کہ قرآن کا سمجھنا، خاص زحمت، محنت اور مہارت کا طالب ہے اور یہ کام سب نہیں کر سکتے اس لئے چند افراد کو بہر حال یہ زحمتیں اٹھانا ہوں گی تاکہ وہ اپنی محنت و ریاضت کا پھل دوسروں کی خدمت میں تقدیم کریں تاکہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔

جو باتیں ہم پیش کریں ان کے مستند اور قرآن کریم پر مبنی ہونے کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہ ہونا چاہیے اسی کے ساتھ ہی ایک دوسرے سے غیر مربوط اور نظم و ترتیب سے عاری بھی نہ ہونا چاہیے کیونکہ اگر مطالب پراگندگی کا شکار ہوں تو نہ صرف ان کا یاد رکھنا مشکل بلکہ ایک غلط فکری نظام کے مقابلہ میں ایک صحیح فکری نظام سے جو فائدہ اٹھایا جانا چاہیے وہ بھی حاصل نہ ہوگا۔

حواشی

(۱) پیغمبر اسلامؐ کے اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ خداوندعالم آپ کے بارے میں : "يتلوا عليهم اٰياته ويزكّيهم" کے بعد فرماتا ہے : "وَيُعَلِمُهُمُ الكِتابَ وَالحِكْمَةَ" (سورہ جمعہ آیت : ۲)
یعنی تلاوت اور لوگوں کا تزکیہ کرنے کے بعد تعلیم قرآن کی نوبت آتی ہے معلوم ہوا قرآن کی تعلیم آیات کی تلاوت سے الگ ایک چیز ہے لہٰذا پیغمبر کی ایک ذمہ داری یہ بھی تھی کہ جب آپ پر قرآنی آیات نازل ہوتی تھیں تو آپ لوگوں کے سامنے ان آیات کی تلاوت فرماتے تھے تاکہ لوگ قرآن کے الفاظ یاد کرلیں اور اس کے بعد نبی اکرمؐ تزکیہ نفس کرتے تھے. اور پھر نبیؐ کی ذمہ داری یہ ہوتی تھی کہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور یہ تعلیم محض قرآن کے الفاظ دہرانا نہیں ہے کیونکہ یہ تو وہی تلاوت قرآن ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ قرآن کے مطالب و مفاہیم سے عوام کو آگاہ کریں، یعنی جو چیزیں لوگ خود سمجھنے سے قاصر ہیں اس کا سمجھانا نبیؐ کی ذمہ داری ہے چنانچہ قرآن میں بھی یہ وضاحت موجود ہے : "يُعَلِمُكم مالَم تكُونُوا تعلمُون" (سورہ بقرہ آیت : ۱۵۱) اور وہ (پیغمبر اکرمؐ) تمہیں ان چیزوں کی تعلیم دیتا ہے جسے تم نہیں جانتے. دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :

" وَاَنْزَلْنا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِم "

ہم نے تم پر یہ قرآن نازل کیا ہے تاکہ تم اس کی آیتیں لوگوں کو سمجھاؤ اور بیان کرو. (سورہ نحل آیت : ۴۴)

پتہ چلا کہ قرآن کی آیتیں بعض وقت شرح و وضاحت کی محتاج ہوتی ہیں اور پیغمبرؐ کی ذمہ داری ہے کہ وہ سمجھائے۔ یقینی طور پر تبیین، تلاوت سے الگ ایک چیز ہے اور ہم شیعوں کا عقیدہ ہے کہ تبیین، بیان اور وضاحت (جو آنحضرتؐ کے مقام و منصب میں سے ہے) آئمہ معصومین علیہم السلام کے لئے بھی ثابت ہے، نیز دیگر دلیلوں کے مطابق قرآن کی معلمی کا منصب پیغمبر اسلام اور آئمہ اطہار کی خصوصیات سے ہے.

(۲)۔ وسائل الشیعہ ج۱۸ص ۸۷۔۸۹ حدیث : ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۴، ۱۵، ۱۸، ۱۹، ۲۱، ۲۹، ۳۵، ۳۷، ۴۰، ۴۷، ۴۸۔